اردو شاعری میں مابعد جدید رجحانات

حماد نیازی

Abstract:

The tendencies and effects of modernism and post-modernism in Urdu literature can be seen in different genres. Modernism gave man great narratives and man started dreaming of equality, democracy, justice and prosperity. This trend continued until World War I and II, but after these two major wars, man came to know the fact that the duality of coercion and authority will continue in life. Its effects are seen in world literature and later in Urdu literature. In this research article, the Hammad Niazi has presented these elements of modernity in Urdu poetry with the help of poetic examples regarding Urdu poetry. In poetry, most of the rhymes, Hamd, Naat and narrative styles have been presented.

اردو شاعری تین سو سال سے زیادہ کا سفر کرنے کے بعد ایک ایسے دور میں داخل ہو چکی ہے جسے ہم مابعد جدید دور کہہ سکتے ہیں۔ اس مابعد جدید دور میں زندگی جس طرح تغیر پذیری اور اور رنگا رنگ تبدیلیوں سے گزر رہی ہے، ہماری شاعری نے بھی اسی طرح تغیر پذیری اور معاصر تناظرات سے اثرات کشید کیے ہیں۔ ترقی پسندی اور جدیدیت کے دور سے ہو کر آج کی شاعری مابعد جدیدیت کے جملہ مظاہر سے جہاں بیش بہا اثرات نفوذ کر کے ہماری شاعری کو ایک نیا منظر نامہ عطا کر رہی ہے، وہیں اپنے اندر ہئیتی، موضوعاتی اور کیفیاتی سطح پر آج کے انسان کی نمائندگی بھی کر رہی ہے یا نہیں؟۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کچھ عرصے تک ہمارے سامنے آپائے گا۔ جدیدیت کے دور کی تنقید نے سماجی معنویت کو جہاں نظر انداز کیا وہی آئیڈیالوجی پر اصرار اور وجودیت کا فروغ پیش نظر رہا۔ سماجی اور تہذیبی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے قاری اور تناظر کو اہمیت نہ دی گئی۔ اکیسویں صدی تک آتے آتے یہ تنقیدی رویے اب عصر حاضر کے فطری رد عمل سے مجبور ہو کر مابعد جدیدیت کے فکری تناظرات کو نا صرف قبول کر رہے ہیں بلکہ ان کے فروغ و ترویج کے لیے کام کیا جا رہا ہے۔ اب اس بات پر سب متفق نظر آتے ہیں کہ

مصنف یا شاعر جو لکھتا ہے تو اس کے بعد وہ متن سے الگ ہو جاتا ہے۔ اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ اس کی قرات کیسے کرے، اس کی تفہیم، معنی کی تعبیرات۔ جمالیاتی احساس کی سطح جیسے معاملات کو طے کرنا اس ہی کے دائرہ کار میں آجاتا ہے۔ اور یہی مابعد جدیدیت کے غالب رجحان کا اقرار ہے۔ اب متن کو ہر طرح کے تناظرات چاہے وہ سیاسی ہوں، سماجی ہوں یا تہذیبی کے ساتھ دیکھنے پر ناقدین کا اصرار بڑھ گیا ہے۔ ثقافتی پیراڈائم کو ہمارے ادب خصوصاً شاعری کے میدان میں فوقیت دی جانے لگی ہے۔ اور اس تبدیلی نے شاعری کے ایسے تناظرات جن کو پس منظر میں دھکیل دیا جاتا تھا انہیں پیش منظر میں لا کھڑا کیا ہے۔ دیکھا جائے تو آج کے انسان کا تصور اس کے تناظرات، اس کا سماجی اور تہذیبی مقام اتنا سیدھا سادہ اور آسان فہم نہیں رہا ہے۔ اب اس کا مقام اس کی شناخت اپنی بساط کے میدان سے باہر نکل کر تاریخ اور تہذیب کی عطا کردہ سچائیوں کے ساتھ منسلک ہو رہی ہے۔ سماجی تناظرات کی اہمیت، معنی کی تکثیریت، اور سچائی کے اضافی تصور کے ساتھ عالمی ادبیات کی طرح ہماری اردو شاعری میں تانیثیت، مقامی شناختوں کی اہمیت، ماضی کی بازیافت و تقلیب اور بین المتونی عناصر کے ساتھ مابعد نو آبادیاتی اور نو تاریخی مباحث کے اثرات کو واضح محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اب معنی صرف معنی نہیں بلکہ سماجی معنوں میں ڈھل چکا ہے۔ معاصر تہذیبی سوالات ہماری معاصر شاعری میں اجاگر کیے جا رہے ہیں۔ یہ مابعد جدید دنیا گلوبلائز معاشرے میں بدل چکی ہے جس میں انفرادی اور قومی شناخت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اختلاف اور کثرتیت کا استقبال کیا جاتا ہے۔ میڈیا ہماری شناختوں اور روزمرہ حقائق کے شعور کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دے رہا ہے۔ اس ہائپر ریل فضا نے اضافی سچائی کو جنم دیا ہے۔ اور اس تشکیلی مابعد جدید دنیا میں ہمارا آج کا شاعر اس سے کہیں نہ کہیں متاثر ہو رہا ہے۔ کچھ رویے اس صارفیت زدہ کلچر سے مزاحمت کو فروغ دے رہے ہیں اور کچھ اس رو کے ساتھ متن کے بہاؤ پر مطمئن نظر آتے ہیں۔ مابعد جدید عہد کا انسان لایعنیت بے جہتی اور بے معنویت کی اتنی پرتوں کا سامنا کر رہا ہے کہ اب معنویت بھی لایعنیت میں بدلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسے بے سمتی اور تاریکی کی انگلیوں سے بھی آشنائی ہو رہی ہے جنہیں اس دور سے پہلے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ احساس بھی مابعد جدید شاعری میں سفاکانہ حقیقت پسندی کے رجحان کو سامنے لانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

آج اگر عصری صورت حال کو دیکھا جائے تو آج کا باشعور انسان شدید تذبذب اور بے سمتی کا گلہ کرتا نظر آئے گا۔ اس کی بنیادی وجوہات پر بات کی جائے تو ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی عملی زندگی جن

عوامل پر بھروسہ کر کے گزر رہی ہے وہ مادی اور وجودی زندگی سے ہی بر آمد ہوتے ہیں لیکن اس انسان کی ذہنی پرورش اور پرداخت ایک عرصہ عقیدوں اور مابعد الطبعیاتی حوالوں سے بھی علاقہ رکھتی رہی ہے۔ اسے بعض اوقات اپنی پریشانیوں کا حل روحانی اور مذہبی اور کبھی نظریاتی حدود کے اندر ہی نظر آتا تھا اس دوران وہ جن اسباب پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہوا وہ روحانی حوالوں کو رد کرتے ہیں۔ یہ عمل اور فکری سطح پر تضادات اس انسان کے اندر بے یقینی، اضطراب اور بے اطمینانی کی فضا کو جہاں تشکیل کرتے ہیں وہی وہ کسی ایک واثق اور پختہ مرکز سے بھی لاتعلق ہی رہتا ہے۔ جو اس کے اندر تشکیک اور بے سمتی کی وہ رو پیدا کرتی ہے جس کی تخلیقی شکل ہماری آج کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ کچھ عرصے تک آپ کو مشرقی تہذیب میں تمدنی سطح پر کچھ ہم آہنگی نظر آتی تھی جو اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے تک آتے آتے اس یرقان زدہ مریض کی طرح لگتی ہے جو اپنے وجود سے بیزار ہو چکا ہو۔ یہ دور مادی اقدار کا دور ہے جس نے ہماری تہذیبی و سماجی زندگی کو جس حد تک متاثر کیا ہے اس کے بعد ہمارے ادب میں جذباتی اسالیب کی شکلیں اتنی متنوع اور کثیر تعداد میں ظاہر ہو رہی ہیں کے ان شکلوں کو ملا کر ہماری آج کی زندگی کی جو مونتاج بنتی ہے وہ تجرد کا شکار ہے۔

> "مابعد جدید شعراء کی شاعری ان جھاڑو پھیر بیانات سے بہت زیادہ پیچیدہ، متناقض اور بلند شئے لطیف ہے۔ اس شاعری میں بہت سارے سوالات ہیں، بے اطمینانیاں ہیں، فریب شکستگیاں ہیں۔ شدید نائے عظیم کی کیفیت ہے۔ وہ اکیسویں صدی میں روایتی مخصوص اور مشروط نظام کائنات کی بعض چیزوں کو مقرر اور اٹل تصور نہیں کرتے ہیں۔ وہ ہر جگہ سرخ سوالیہ نشانات لگاتے ہیں۔ قدامت زدہ لوگوں کے لئے کائنات اٹل چیز دی، ان کے نزدیک نہیں ہیں۔ امریکہ میں 'جنت کی سیڑھی' منہدم ہو چکی ہے۔ جنوبی ایشیا آہستہ آہستہ 'بابل کا مینار' بن رہا ہے۔ لیکن یہ نہ ان کے لئے المیہ ہے اور نہ نشاطیہ ہے بلکہ خورشید نیمروزی واقعہ ہے۔ تاہم یہ مابعد جدید نسل کسی چیز کی جستجو میں زندگی کے دروازے پر بار بار دستک دیتی ہوئی شدت سے محسوس ہوتی ہے جو نئے موسموں کی تلاش کا پتہ بھی دیتی ہے۔ یہ زندگی سے زندگی کی طرف کا سفر ہے۔ یہ سماجی نابرابری، ذہنی نابرابری اور جنسی نابرابری کے خلاف احتجاج اور انحراف کا بھی سفر ہے"(۱)

اکیسویں صدی کی مابعد جدید شاعری پر بعض لوگوں کی ایک رائے یہ ہے کے بہت سارے شاعروں کے ہاں ابہام کی وہ تجریدی شکل نظر آتی ہے جہاں یہ ابہام ناقابل تفہیم محسوس ہوتا ہے۔ اور معنی کے رسمی تصور سے بغاوت کی راہ چن کر معانی کے نئے تشکیلی تصورات کی تخلیق کا رجحان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور یہ نئے تصورات شاعری میں کلیشے زدہ معنیاتی و امکانی پیراڈائم سے ہٹ کر جہاں نئے ا مکانات کے در وا کرتے ہیں وہیں قاری کے اندر ابہام اور لایعنیت کی بعض صورتوں کو بھی آشکار کرتے ہیں اور بعض جگہ قاری ان تصورات سے وجود میں آنے والی تخلیق کو بے معنی اور جمالیاتی ذہنی و قلبی ڈھانچے سے متضاد جانتے ہوئے اس سے امکانی سطح پر مضبوط تاثر نہیں لے پاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ الفاظ کا روایتی صرفی و نحوی سیاق و سباق معاشرتی ناہمواری اور اکیسویں صدی کی مجموعی فضا سے متاثر ہو کر اب نفسیاتی و جذباتی سماجی سیاق وسباق میں بدلتا ہوا نظر آتا ہے۔ آج کی شاعری میں عصری اشیاء، واقعات، تشکیلی حقیقتوں اور ان سے جنم لیتی انسانی زندگی کی بے ہنگم تصویر کو داخل کرنے کی سعی دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سعی میں بعض شاعر نفسیاتی اور جذباتی رو میں اس قدر بہہ جاتے ہیں کہ اپنی تہذیبی و سماجی سیاق سے باہر نکل جاتے ہیں اور اس تہذیبی سیاق سے باہر نکلنا اس نسل کے ابہام زدہ عمومی اسالیب اور ان کے رجحانات کا تعین کرتا ہے۔

مابعد جدید شاعری اب مابعد الطبیعی کائنات کی بجائے مادی اور سماجی دنیا سے منسلک موضوعات کو اپنی بافت کا حصہ بنانے کو ترجیح دے رہی ہے۔ وہم مابعد الطبیعی عناصر کو اگر موضوع میں لاتی بھی ہے تو وہ کسی نہ کسی سماجی جہت سے علاقہ رکھتے نظر آتے ہیں۔ وہ خارج سے داخل کی نسبت زیادہ رابطہ رکھتی ہے۔ اور یہ خارج ثقافتی تہذیبی سماجی عوامل سے مل کر ترتیب پاتا ہے۔ جدید شاعری میں فطری عوامل و عناصر کو اہمیت دی جاتی تھی۔ مگر آج کی مابعد جدید نمائندہ شاعری میں ہمیں انسانی وجود اور اس سے متعلقہ تمام عوامل، تلازمات و ترجیحات کی تزئین و تشکیل میں ثقافت اور تہذیب اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مابعد جدید عہد نے صارفی کلچر، ہائپر ریل میڈیائی یلغار، علاقائی و عالمی بدامنی وانتشار، اور کئی برہنہ تہذیبی حقائق کو قبول کر کے انسانیت کے چہرے پر اکتاہٹ، بیزاری اور بے یقینی کی ایسی گرد ملی ہے جس سے انسان کا بنیادی مسئلہ ہی عدم شناخت بن کے سامنے آتا ہے۔ ایران عراق جنگ، روس افغانستان جنگ، پوسٹ نائن الیون ورلڈ وار، نے خوف،، انتشار، غربت، اور انتہا پسندی کے رویوں کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے بعد کی عالمی فضا اس سے قبل کی فضا سے بہت مختلف تھی۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے بالخصوص ہماری مشرقی عوامی فکر کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اور اس کے بعد ہماری فکر کے جو خدوخال سامنے آئے ہیں ان خدوخال کی تشکیل و قیام میں مختلف علوم اور کلامیوں جہاں اثر موجود ہے وہی گلوبلائزیشن، ملٹی نیشنل سرمایہ دارانہ کلچر اور مادی قدروں کی تہذیبی قدروں پر سبقت پانے جیسے عوامل نے فکری اور نفسیاتی سطح پر ایک بہت بڑی تبدیلی کو جنم دیا ہے۔ ہائپر رئیلٹی، مشرق و مغرب کے بڑھتے ہوئے فاصلے، مرکزی دھارے سے کٹ کر سماجی و معاشی زندگی، انسانی قدروں کا زوال، خوف اور دہشت کی عالمگیر فضا، ریاستی و مذہبی استحصال، ہر دن کے ساتھ بڑھتی ہوئی اجنبیت، گلیمر، صارفیت، لایعنیت، عدم شناخت، قدیمی و ثقافتی اشرافیائی و تہذیبی نظریوں سے بیزاری، جنسی تفاوت کی نئی شریعت کا قیام، فکری بے جہتی، ٹیکنالوجی کا انسان کش اقداری نظام اور اس جیسے کئی عوامل نئی مابعد جدید شاعری کے خدوخال مرتب کرتے ہیں۔

ہماری اردو شاعری خصوصاً نظم نے اس مابعد جدید صورتحال کا ادراک اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کھل کر کیا ہے۔ اور کسی تہذیبی معاشرتی سرٹیفکیٹ کے بغیر بنے بنائے ٹیبوز کو توڑ کر مابعد جدیدی رویوں کو سامنے لایا گیا ہے۔

دانیال طریر کی نظم "جیو جنگل" دیکھیے:

"سارا عنبر چیلوں کا ہے
دھرتی سانپوں کی ہے ساری
خوف کی ماری
بھول گئیں منزل کا رستہ
بھیڑیں ساری
رنگ بدلتے گرگٹ گھومیں
جھومیں ناچیں باری باری
کائیں کائیں کوے آئیں
خبریں لائی
۔۔۔۔کتے کا بلی پر حملہ

۔۔۔۔۔۔نیولے کی ناگن سے لڑائی
۔۔۔۔۔۔سارس کو لومڑ کی دعوت
۔۔۔۔۔کچھوے اور خرگوش کی دوڑ میں
اب بازی خرگوش نے ماری
آج کی سب سے خاص خبر ہے
چیونٹی کی ہاتھی سے یاری'
چل وے کبوتر
مار اڈاری"(۲)

اس نظم میں جانوروں اور پرندوں کی تمثالیں اپنے علامتی اطلاق میں عالمی طاقتوں اور کمزور اقوام کے درمیان لڑائی، اور روز بدلتے ہوئے عالمی منظر نامہ کو موضوع بنا کر نظم میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پوسٹ نائن الیون صورتحال سے اسلامی دنیا خاص طور پر پاکستان اور افغانستان میں مذہبی بیانیے کے متشددانہ اور منتشرانہ رویے سامنے آئے جن میں اسلامی امن پسند فکر اور اسلامی تہذیب کا انسان دوست چہرہ کہیں پس منظر میں جاتا دکھائی دیتا ہے۔ مذہب کے نام پر انسانیت کا قتل، فرقہ واریت کا پھیلاؤ اور جبریت زدہ ماحول میں بے سمتی کا شکار آج کا نوجوان کیا سوچتا ہے مابعد جدید شاعری اسے بھی اپنا موضوع بناتی ہے۔

نظم دیکھیے:

"غیر قانونی راستوں کی جنت"

جبر کے مذہبی تہوار پر
ہمیں کلہاڑیوں کے وار سے ہلاک کیا جانا تھا
لیکن قتل کی اس شام
بادشاہ کے ہاتھ سے جلاد مارا گیا
ہمیں بالوں کے بل گھسیٹ کر
درختوں سے باندھنے کے بعد

سکھائی گئی پرندوں کو ظلم کی زبان
اور ہماری چوکیداری پر مامور کر دیا گیا
ہم نے چیونٹیوں کو ورغلا کے
ان کے ہاتھوں سے آٹے کی بوریاں چھینی
اور اپنا لعاب ملا کر
سماعتوں کی کھڑکیاں بند کر دیں
ہماری آنکھوں میں بے گھر مینا اور طوطے نے گھونسلہ بنایا
اور کوؤں کا حاسد قبیلہ
پھر سے ہمارے قتل کے منصوبے بنانے لگا
ہمیں کافروں کے زانو پر
زندگی کی آخری ہچکی قبول نہ تھی
اس لئے ہم نے شریعت کو پھاڑ پھینکا
اور اپنا زہریلا لہو پی کر خودکشی کر لی"(۳)

مابعد جدیدیت نئے مقامی اور تہذیبی کرداروں اور شناختوں کو اہمیت دیتی ہے۔ نئی شاعری میں ان نئے مقامی اور چھوٹے کرداروں کو متعارف کرانے اور ان سے مقامی بیانیوں سے تعلق کا رجحان ہماری تمام اصناف بالخصوص نظم کی مختلف ہئیتوں کے ساتھ نئی اصناف جیسے عشرہ، اور کولاج میں کثرت کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کرداروں کو شاعری کا حصہ بنانے کے محرک کے حوالے سے ناصر عباس نیّر کہتے ہیں:

"ان کرداروں کو نظموں میں پیش کرنے کا محرک وہی ماضی کی بازیافت کی سعی ہے۔ مگر یہاں ماضی لاشخصی، ثقافتی، اساطیری نہیں بلکہ نجی و سماجی ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ یہ نظم ان نظموں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپ ہیں اور نئے ہونے کا احساس دلاتی ہیں جن میں عرب و عجم کی معروف تاریخی علامتوں کو دہرایا گیا ہے۔ ایک اعتبار سے یہ سبلٹرن sublatern کی خاموشی کو گویا بنانے اور حاشیے کو مرکز میں لانے کا عمل ہے۔ اس لحاظ سے ان نظموں کو مابعد جدید کہا جاسکتا ہے۔ ان کرداروں کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ تاریخ کے ان کبیری کرداروں کو بے دخل

کرتے ہیں جو اپنے اصل ناموں مگر اساطیری خصوصیات کے ساتھ شاعری کے قلب
میں جگہ بنائے ہوئے تھے "(۴)

اس کی مثالیں ہمیں کئی شاعروں کے ہاں مثلاً شاہین عباس کی نظموں میں "مستری بندے علی"، کاکا نواب، ولیا، ناظرہ بی بی، قاسم شاہ، خورشید بی، علی اکبر ناطق کے ہاں اے میر باقر، مہر ولی کے باغ، ڈاکٹر ضیا الحسن کی "عبد الکریم نامہ"، حارث خلیق کی سعادت خاں بلوچ رکشے والا، مزمل گھڑی ساز، غلام اعظم مصلی، نذیر عالم گویا، منظور مسیح، جگدیش کمار علی محمد فرشی کی علینہ، سرمد صہبائی کے گاموں کمہار، بابے بوڑھ والا، میراں کا بچہ، جیسے کردار اپنے مقامی بیانیوں کے ساتھ شعری متن کا حصہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ سرمد صہبائی کے کرداروں کے متعلق احتشام علی رقم دراز ہیں:

"یہ کردار اپنے رویوں اور طرز احساس میں وہ تمام سماجی فکری اور نفسیاتی لہریں سمیٹے
ہوئے ہیں جن کے سوتے عالمی صارفی معاشرے میں پروان چڑھنے والی مادیت سے
پھوٹتے ہیں"(۵)

چند مثالیں دیکھیے:

"خدا رکھے ولیے کو
اس نے کہا تھا:
یہاں سے گئے تو جہاں سے گئے
گلی سیداں کا بگولہ
وہ آدم کا اور ابنِ آدم کا جھولا
وہ ترکھان ولیا، وہ لکڑ بدن
جسم کی لکڑیوں کو اٹھائے
گلی میں نمودار ہوتا تو سارا محلہ ہی تیار ہوتا
عرب اونٹ آیا، عرب اونٹ آیا"(۶)
(یہ ولیے کا چکر، درس دھارا)

"میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، عبد الکریم
تمہیں اپنی فصل خود کاشت کرنی ہے
فصل پکنے سے پہلے اپنی درانتی تیز کر والو
تمہیں کاٹنی ہے
اپنی بوئی ہوئی فصل
ظلم آمادہ ہاتھ
اور کلف لگی گردن
ایسے وقتوں میں میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں گا
میں کروں گا مضبوط
تمہارے ہاتھ اور دل
بڑھاؤں گا تمہاری ہمت
اور دکھاؤں گا تمہیں رستہ
نئی زندگی کا"(۷)

(میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں، آدھی بھوک اور پوری گالیاں)

ہمارے ہاں ایک چیز جس نے معاصر صورتحال میں شدید اضطراب پیدا کیا ہے وہ بنیاد پرستی اور شدت پسندی کی روز افزوں صورت حال ہے۔ پچھلے حصے میں کئی ایسے واقعات نے ہماری شاعری کو بھی اس پر اپنا احتجاج سامنے لانے پر مجبور کیا ہے۔ مشال خان کا واقعہ ہو یا زینب کا ریپ کیس، سیہون شریف دھماکہ ہو یا آرمی پبلک سکول پر ظالمانہ سانحہ، یا اس جیسے کئی اور شدت پسندانہ عناصر کے ایما پر ہونے والے واقعات ہماری نئی شاعری نے اس پر اپنا احتجاج پیش کیا ہے۔ یہ واقعات ہماری ثقافتی و سماجی روایت کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ اسی طرح ان عناصر کی طرف سے اظہارِ خیال کی آزادی پر قدغن لگانے کی کوشش پر ردعمل بھی علامتی سطح پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مشال خان کے قتل پر ایک نظم دیکھیے:

ہجوم ہٹ نہیں رہا۔۔۔
ہجوم جس کی ٹھوکروں کی ضرب سے
ہوا میں ہانپتا ہوا غبار چھٹ نہیں رہا۔۔۔
غبار میں جو خاک ہیز مین سے اُڑی ہے یا
کسی کے سرد جسم سے۔۔۔ خبر نہیں
(خبر بھی ہو تو کیا بگاڑ لے کوئی)
ہجوم ہٹ نہیں رہا۔۔۔
ابد کی شاخِ سبز پر کھلا ہوا
شباب کا گُلاب پتیوں میں بٹ نہیں رہا۔۔۔
ہجوم بے سکون ہے۔۔۔ سوال مر نہیں رہا
سوال کا زبان سے جڑا ہوا جو تار ہے
وہ تار کٹ نہیں رہا
ہجوم ہٹ نہیں رہا
وہ مر گیا۔۔۔
ہجوم اس کی ماں کی بد دعا سے ڈر نہیں رہا
ہجوم اسے چیختی پسلیوں کے بل گھسیٹتا چلا گیا
کسی نے اس کے زخم کو لعاب کا کفن دیا
کوئی بدن کو لاٹھیوں سے پیٹتا چلا گیا
قریب چند لوگ عکس بند کر رہے ہیں
کیمروں میں ایسے کھیل کو
کہ جس میں سب کھلاڑیوں کی آستیں پہ خون ہے
ہجوم کو جنون ہے۔۔۔ ہجوم ہٹ نہیں رہا

میں منتظر ہوں اک طرف۔۔۔
مرے عقب میں چُپ کھڑی ہے اک محافظوں کی صف
ہجوم ہٹ نہیں رہا۔۔۔
ہجوم سے کہو ہٹے۔۔۔ غبار جانے کب چھٹے!
میں اس کے درد سے بھنچے شکستہ ہاتھ کی گرفت سے
ذرا سی نظم کھینچ لوں
محافظوں کا ترجماں۔۔۔ دعائے خیر میں مگن؟
نہیں نہیں! وہ پہلے سے رَٹا ہوا بیان رَٹ نہیں رہا۔
مشال خان! خیر ہو!
تماشا گاہ سے تُو رائیگاں پلٹ نہیں رہا۔۔۔
ہجوم ہٹ نہیں رہا۔۔۔۔(۸)

اردو معاصر شاعری میں ہندو دیومالا کا استعمال، اسلامی تاریخ کی تلمیحات، پرانے قدیم متون کی بازیافت کے رجحانات بھی نظر آتے ہیں۔ پرانی کہانیاں، قصے،، روحانی اقدار، مادی صورتِ واقعہ، اسلاف کی غلطیاں، ان کی عظمت سبھی کچھ مابعد جدید شاعری کے قوام میں شامل ہیں۔ ماقبل اسالیب کی باز آفرینی کے جہاں نمونے دیکھے جاسکتے وہیں داستانوں اور پرانے متون سے استفادہ کی نئی معنیاتی جہات سامنے آ رہی ہیں۔

> "مابعد جدیدیت میں قدیم قصے کہانیوں، داستانوں اور دیومالا کی معنویت زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ زندگی کا ہر معنی معاشرے اور ثقافت سے صورت پذیر ہوتا ہے۔ ادھر افریقہ میں سیاہ فام شاعری کا فروغ، ہندوستان میں دلت لٹریچر کی فراوانی اور بیشتر زبانوں میں نسائی ادبی رویوں پر اصرار اسی مابعد جدید صورتحال کی ترجمانی کرتا ہے۔ حوالہ خواہ تلمیح کا ہو، اپنی زمین سے وابستگی کا یا کہاوتوں اور دیومالائی قصوں کا، ان سب کو ماضی کی بازیافت کا نام دینا ہی مناسب ہوگا"(۹)

مابعد جدید شاعری میں اس حوالے سے چند مثالیں دیکھیے:

جیتی رہو کہانیو! ملتے ہیں یار ایک دن
ایک ہزار ایک رات، ایک ہزار ایک دن
گاؤں سے گاؤں ڈاکیے، لوگوں کے خط پڑھا کیے
میرا من ہوا کیے، باغ و بہار ایک دن (۱۰)
میں گنگنا رہا تھا سفر کا قدیم گیت

آسود گانِ غار مرے ساتھ چل پڑے (۱۱)
آخری قطرہ کنوئیں کے پاؤں سے چمٹا رہا
کرنے والے نے پھر اس میں زندگی ترسیل کی (۱۲)
ہائے ہائے کہ میں کوئی بھی چیز قائم نہیں رکھ سکا
درد قائم ہے ملتی ہیں جلدوں پہ جلدیں اکھڑ کے مجھے (۱۳)

بین المتونیت کی ایک شکل کربلائی تلازمات سے متعلقہ شاعری میں گاہے گاہے دیکھنے کو ملتی ہے۔ کربلا سے متعلق تلازمات اور اس کی پس منظری جہات کو نئے زمانے کے مسائل کے ساتھ پیش کرنے کی روش بھی سامنے آئی ہے۔

اس کے لیے بے معنی ہیں سونے کی طشتریاں
جس کے پاس ہوں اپنا جھنڈا، نعرہ اور چراغ (۱۴)

ابھی ابھی وہ چلا جائے جس کو جانا ہے
یہ کہہ دیا تھا سبھی کو، دیا بجھاتے ہوئے (۱۵)

سنا ہے اردن و شام و عراق والے بھی
حسینیت کو مصیبت میں ڈھال کرتے ہیں (۱۶)

لکھے کوئی مورخ یہ کتھا تاراج زینوں پر
سنہری وادیوں پہ روز شامِ کربلا اتری (۱۷)

عزا کا شور ہے گریے کا زور ہے عدنان
دریدہ پھولوں کو کب ذوالجناح گھر لایا (۱۸)

رنج کے پھاٹک سے نکلے ہیں ضریح وذوالجناح
کوچہء غم سے برابر سوز خوانی چاہیے (۱۹)

بجھنے لگی ہیں شام کے محلوں کی بتیاں
ظلمت کا اقتدار ابھی ہے ابھی نہیں (۲۰)

پلٹ دی ہے کسی کم سن نے بازی
ترے تیر و کماں ہوتے ہوئے بھی (۲۱)

رسیاں ننھے اسیروں سے یہی پوچھتی تھیں
کوئی توجیہ تو ہوتی ہے گرفتاری کی (۲۲)

مری زمیں مرا ایسا بھی جرم کیا ہے بتا
کہ پیاس میں بھی رہوں تیرے پانیوں سے الگ (۲۳)

ایک اور رویہ جو مابعد جدید شاعری میں نظر آتا ہے کہ وہ مابعد جدید صورتحال سے دوچار انسان کے فکری و نفسیاتی انتشار سے بر آمد ہونے والی نئی معنیاتی جہات کو سامنے لاتی ہے۔ اصل میں یہ نفسیاتی انتشار ما بعد جدید انسان کی کوئی ایک واحد شناخت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ بیک وقت کئی مذاہب، مسالک، قوموں، زبانوں، نظریات، خاندانوں، سے وابستگی کبھی ایک شناخت کو حاوی کراتی ہے

اور کبھی دوسری کو۔ یہ عمل فکری انتشار سے ہوتا ہوا نفسیاتی انتشار کے علاقے میں داخل ہو جاتا ہے اس رجحان کی شاعرانہ مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مابعد جدید شاعری نو آبادیاتی دنیا میں معاشی اور ثقافتی اعتبار سے تشکیل دی جانے والی مابعد جدید صورتحال پر طنز خفی کی صورت میں اپنا احتجاج ریکارڈ پر لاتی ہے۔ وہ مسلط کردہ غیر فطری غیر آسمانی، سرمایہ دارانہ اقلیتی طبقہ کی تھوپی ہوئی صورتحال کو قبول کرنے سے انکار و احتجاج کی راہ اختیار کرتی ہے۔ یہ طنز کی شکل نو آبادیاتی تجربے کے اظہار کی ایک اہم جہت کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ طنز خفی میں کہنے والے کا مطلب اس کے بیان کردہ الفاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ طنز اپنے مقاصد میں وسعت رکھتا ہے۔ طاقتور عوامی انداز فکر، سوچ یا مجموعے کو چیلنج کرتا ہے اور اس کے مقابل ایک متبادل سوچ کی تشکیل کرتا ہے۔ طنز خفی کے مختلف طریقوں میں

ا۔ ہنسی مذاق کی باتوں سے زخموں کے اندمال کا طریقہ

۲ - شخصیات یا نظریات پر چوٹ کرنا

۳ - سنجیدگی اور تمسخر کے ملاپ سے تخلیق کردہ طنز شامل ہیں

ادریس بابر کا ایک عشرہ دیکھیے:

"میٹنگ"

اس نے میٹنگ بلائی اور کہا
لوگ، دن رات کنٹرول میں ہیں
ٹیپ منہ پر لگائی اور کہا
سب بیانات کنٹرول میں ہیں
اس نے گولی چلائی اور کہا
سر جی، حالات کنٹرول میں ہیں
سب زمیں پر خدا کے نائب تھے
سب زمیں پر خدا کے نائب ہیں
وہ جو اپنی رضا سے مارے گئے

وہ جو اپنی خوشی سے غائب ہیں (۲۴)

اس عشرہ کا موضوع بظاہر آزاد نظر آنے والا وہ معاشرتی فضا ہے جو دراصل ایک کٹھ پتلی کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے جہاں فرد خود مختاری کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے مگر اس کے فکر و عمل کی صورت پذیری میں ان دیکھی اور طاقتور قوتیں بنیادی کردار ادا کر رہی ہیں۔ اب لوگ لاشعوری طور پر ان قوتوں کے غلام بن چکے ہیں جو انہیں اپنے اشاروں پر جب چاہے جیسا چاہے استعمال کرتی آئی ہیں۔ یہاں اس شعری متن میں طنز خفی سے کام لیا گیا ہے۔

عمریں گزار کر یہاں، پیڑوں کی دیکھ بھال میں
بیٹھے ہیں ہم نشیں مرے، سایہء ذوالجلال میں (۲۵)

"سرخ انگارا منہ میں
مکئی کے پیلے دانے
توے کے رخ پر
جلتی بجھتی آنکھیں
ہاں۔۔۔۔
میں نے عمروں کی اس آگ کو
کوئلے کی اسی کان میں بیٹھے ٹھنڈا کیا ہے
لیکن دن کے اجلے ورق پر
تاریکی سے لکھی گئی میری قسمت" (۲۶)

مابعد جدید شاعری ان طبقات سے اعلانِ جنگ کرتی ہیں جن کے نزدیک زندگی کے تمام شعبوں اور امور میں اپنی اجارہ داری اور اپنے بنائے ہوئے فرسودہ اشرافیائی نظریے ہمیشہ سے اہم رہے ہیں۔ یہ طبقات اپنے نظریات کی مخصوص روایتی فکری تعبیرات سے آگے نہ تو دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی اور کو دیکھنے کی اجازت دینا چاہتے ہیں۔ سفاکی و ناانصافی کی مخصوص تعبیرات سے جنم لینے والا یہ بیانیہ اپنے پنجے

تاریخی، معاشرتی، معاشی، سماجی اور خانگی معاملات پر بھی مضبوط کر چکا ہے۔ اس کا جبر جہاں دن بہ دن ایک عام انسان کی نفسیات کی تشکیل کرتا ہے وہیں ایک حساس تخلیق کار کی فکری سمت پر بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ مابعد جدید شاعری اس جبر سے مزاحمت کی راہ چنتی ہے۔

"کھیل جاری رہے"

بے جھجک، بے دھڑک
بے خطر وار کر
میری گردن اڑا
اور خوں سے مرے کامیابی کے اپنے نئے جام بھر
چھین لے حسن و خوبی، انا، ادل کشی
میرے لفظوں میں لپٹا ہوا مال و زر
میری پوروں سے بہتی ہوئی روشنی
میرے ماتھے پہ لکھے ہوئے سب ہنر
تجھ سے شکوہ نہیں
اے عدو میرے میں تیری ہمدرد ہوں
تیری بے چہرگی مجھ کو بھاتی نہیں
تجھ سے کیسے کہوں!!!
تجھ سے کیسے کہوں! قتل کرنا مجھے تیرے بس میں نہیں
(اور ہو بھی اگر، تیری کم مائیگی کا مداوا نہیں)
ہاں مگر تیری دل جوئی کے واسطے
میری گردن پہ یوں تیرا خنجر رہے
(تیری دانست میں)
کھیل جاری رہے (۲۷)

معاصر شاعری میں متعینہ قدروں، بنے بنائے اصولوں کلیشوں، کو توڑنے کی حوصلہ افزائی کثرت سے محسوس کی جارہی ہے۔ مابعد جدیدیت تمام مہابیانیوں پر ضرب لگا کر ان میں تبدیلی کی خواہش کو اہمیت دیتی ہے۔ ہماری نئی شاعری میں اس مابعد جدید عنصر کو قبول کرتی ہے۔

"کلیشے توڑتی ہے
نظم شیشے توڑتی ہے
پتھروں میں ہست کی پیوند کاری
حاسدوں کی آنکھ سے گہری کٹاری
کانچ کے بیداغ فرشوں پر جواہر پھوڑتی ہے
نیلگوں غصہ ہے جاری
یہ بدیسی عورتوں کے جسم سے بڑھ کر کنواری
ایک گلابی اور آبی بے حجابی
ہفت خوابی انگلیوں سے
بن رہی ہے دل کی لابی
جس میں بھوری کہکشائیں
وہ پری خانہ جہاں پوشاک سے عاری ادائیں
بدلحاظی کی حکایت چھانتی ہے
جو جہاں پر جس طرح کے خواب دیکھے
نظم خوابوں کی زبانیں جانتی ہے
ٹوٹے پھوٹے عہد کی گستاخ
بے ترتیب سطریں
خوش دلی سے جوڑتی ہے
ملک میں جعلی معزز
اس کی باگیں موڑنے کا
قصد کرتے ہیں

زینہ چھوڑتی ہے
بادشاہوں کو جھڑک دیتی ہے عامر
خلق کو جھنجوڑتی ہے
نظم شیشے توڑتی ہے"(۲۸)

"گناہ سے پہلے ہمارا دل
رکوع میں تھا کہ حالت غیر ہو گئی
ہمیں مذہب کدے سے کہیں دور پھینکا آؤ
یہ نہ ہو کہ ہمیں
خدا کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ جائے"(۲۹)

مابعد جدیدیت کی ہماری شاعری پر اثرات کو دیکھا جائے تو وہ ہمیں مذہبی شعری اصناف پر بھی نظر آتے ہیں۔ ہماری نئی نعت اور حمدیہ شاعری کے مطالعے کے دوران کئی ایسی جہات سے ہمارا سامنا ہوتا ہے جن کو مابعد جدید فکر سے جوڑا جا سکتا ہے۔ روایت میں پہلے نعت کو ایک صنفِ سخن کی بجائے اسے غزل سے عموماً منسلک کیے جانے کا رجحان غالب رہا ہے۔ مگر اب نعتیہ تخلیقات کو ایک صنف سخن کی حیثیت سے نا صرف قبول کیا جا رہا ہے بلکہ اس کے حوالے سے تنقیدی پیرائے میں گفتگو کا بھی آغاز ہوا ہے۔

> "اردو نعت کی روایتیں صورتحال اس سے مختلف نہیں کہ بہت کوشش اور محنت کے بعد عمومی ادبا نے اب نعت کو ایک صنفِ سخن کی حیثیت دے دی اور تنقیدی سطح پر کچھ بڑے ناموں نے نعتیہ تخلیقات پر اظہار خیال شروع کر دیا ہے۔ یہی مابعد جدیدیت کے نظریے کی کامیابی ہے کہ روایت سے علیحدہ نئے معاشرتی علوم اور منطقی استدلال کے ذریعے حمد اور نعت یہ تخلیقات پر بات کا آغاز ہو رہا ہے"(۳۰)

دیکھا جائے تو یہ بات حقیقت ہے کہ وہ اصناف جن کی مخصوص ہئیت کی بنا پر ان کی شناخت طے کی جاتی ہے ان میں موضوعاتی تنوع کی آزادی بہر حال موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اصناف جن کی شناخت موضوع کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے نعت حمد وغیرہ ان اصناف میں ہیئتی سطح پر نئے تجربات اور نئی ہیتی ساخت

کے ساتھ بیان مابعد جدید تنقید کے موقف کی تائید کراتی ہے۔ موضوعاتی سطح پر نعت کا مفہوم واضح ہے مگر ہئیتی تنوع سے نئی معنیاتی جہات کے قیام میں یہ امر کبھی مانع نہیں ہوتا۔ معاصر نعت کا معنیاتی دائرہ مذہب، ثقافت، وقت، سماج اور انسانی نفسیات و جذبات کے اتار چڑھاؤ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور ہم کچھ نئی ثقافتی علامتوں اور مخصوص معنوں کی نئی رسمیات کو متعارف ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اور نعت میں یہ معنیاتی سطح پر اس تبدیلی کو لانے میں نو آبادیاتی عہد کی مذہبی شناختوں کی بڑھتی ہوئی اہمیت نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیر اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں۔

> "یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کے نو آبادیاتی عہد میں جب مسلم قوم پرستی کا آغاز ہوا اور جداگانہ مذہبی شناختوں پر اصرار بڑھا تو نعتیہ شاعری کے موضوعات بھی تبدیل ہونا شروع ہوئے۔ شناختوں کو مسخ کرنے کی نو آبادیاتی سیاست اور یورپ کے کبیری بیانیہ کے رد عمل میں برصغیر کہ مسلمانوں کے یہاں اپنی مذہبی شناخت پر اصرار بڑھا اور وہ تاریخ اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے لگے پہلی مرتبہ اردو شاعری میں مذہبی، قومی شناخت ایک اہم موضوع کے طور پر شامل ہوئی۔ نعتیہ شاعری مذہبی قومی شناخت کی تشکیل کا ذریعہ بنی۔"(۳۱)

حواشی:

۱۔ مضمون "معاصر اردو غزل: نئے تنقیدی تناظر"، مشمولہ اطلاقی تنقید: نئے تناظر، مرتبہ گوپی چند نارنگ (دلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۳ء) ص ۱۳۶

۲۔ دانیال طریر، معنی فانی (کوئٹہ: مہر در پبلشرز، ۲۰۱۲ء) ص ۳۸، ۳۷

۳۔ سدرہ سحر عمران، ہم گناہ کا استعارہ ہیں (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۶ء) ص ۴۹، ۴۸، ۴۷

۴۔ ناصر عباس نیّر، نظم کیسے پڑھیں (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۱۸ء) ص ۲۸۷، ۲۸۵

۵۔ احتشام علی، مضمون 'مابعد جدیدیت اور معاصر نظم' (لاہور: مشمولہ مجلہ بنیاد، جلد ۶، ۲۰۱۵ء) ص ۴۲۱

۶۔ شاہین عباس، درس دھارا (لاہور: کاغذی پیرہن پبلشرز، ۲۰۱۴ء) ص ۱۱۷

۷۔ ضیا الحسن، آدھی بھوک اور پوری گالیاں (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز پبلشرز، بارِ دوم، ۲۰۱۴ء) ص ۸۸

۸۔ ذی شان حیدر، (https://blogs.dunyanews.tv/urdu/?p=4853)

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ادریس بابر، مشمولہ سہ ماہی سنگت (کوئٹہ، : شمارہ مئی تا اگست، ۲۰۱۵ء) ص ۳۶

۱۱۔ شناور اسحاق، 'ادھورا نروان (لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸ء) ص ۴۳

۱۲۔ عدنان بشیر، مشمولہ "کھڑکی میں خواب" مرتبہ عادل رضا منصوری (بیکانیر بھارت: سرجنا پبلشرز، ۲۰۱۱ء) ص ۲۴

۱۳۔ عدنان بشیر، مشمولہ سہ ماہی زرنگار، شمارہ: ۳، ۲۰۱۲ء) ص ۱۶۷

۱۴۔ دانیال طریر، 'خواب کمخواب'، (کوئٹہ: مہر در پبلشرز، ۲۰۱۳ء) ص ۱۴

۱۵۔ عماد اظہر، 'موجود' (فیصل آباد: ہم خیال پبلشرز، ۲۰۰۲ء) ص ۵۲

۱۶۔ عامر سہیل، غدر کے پھول (لاہور: سانجھ پبلشرز، ۲۰۱۰ء) ص ۱۶۴

۱۷۔ عامر سہیل، 'کچھ طائر پنکھ گراتے ہیں (لاہور: بک ہوم پبلشرز، ۲۰۱۳ء) ص ۱۶۹

۱۸۔ عدنان بشیر، مشمولہ سہ ماہی زرنگار، شمارہ: ۳، ۲۰۱۲ء) ص ۱۶۸

۱۹۔ احمد جہانگیر، غزل (کراچی: مشمولہ ماہانہ کراچی کارنر، شمارہ یکم اگست ۲۰۱۸ء) ص ۲۶

۲۰۔ حیدر سلیم، غزل (تلہ گنگ: مشمولہ ماہانہ تلہ گنگ پوائنٹ، شمارہ ۴، جون ۲۰۱۸) ص ۲۰
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹
۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰
۲۳۔ شمشیر حیدر، پانیوں سے الگ (راولپنڈی: رومیل پبلشرز، ۲۰۱۵ء) ص ۹۶
۲۴۔ ادریس بابر، (https://www.bbc.com/urdu/entertainment-39986585)
۲۵۔ ذوالفقار عادل، شرق مرے شمال میں (کراچی: شہرزاد پبلشرز، ۲۰۱۵ء) ص ۳۹
۲۶۔ خوشحال ناظر، بجوکا، (ڈیرہ اسمعیل خان: ق پبلشرز، ۲۰۱۷ء) ص ۶۲
۲۷۔ نینا عادل، شبد (دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۸) ص ۳۴
۲۸۔ عامر سہیل، کچھ طائر پنکھ گراتے ہیں، ص نمبر ۹۱۔۹۲
۲۹۔ سدرہ سحر عمران، ہم گناہ کا استعارہ ہیں (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۶) ص ۱۲۴
۳۰۔ کاشف عرفان، نعت اور جدید تنقیدی رجحانات (کراچی: نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۶) ص ۱۳۹
۳۱۔ ناصر عباس نیر، ((http://www.aikrozan.com/some-views-on-poetics-of-naat/